''عورت اور آبشار'' کی تنقیدی قرأت

کلیدی الفاظ: عورت # محبت # مجبوری # حیات # قرات # آبشار

ڈاکٹر محمد طالب
اے 46، فرسٹ فلور، کرشچن کالونی
پٹیل چیسٹ، دہلی۔ 110007

ملخص: ''عورت اور آبشار'' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یہ سوال قائم کیا گیا ہے کہ یہ آبشار کیا ہے؟ کیا زرینہ آبشار ہے جس کے جسم کی برسات میں جمال نے غسل کیا یا شہباز جو اونچے پہاڑ سے ٹکرا کر ندی میں جا گرا جس کے سینے پر گہرے نشان ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے ناول کا قاری اس کی گرفت میں آجاتا ہے اور یہی اس کی مقبولیت کا سبب بنتا ہے۔ ناول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی خیال محبت، ہوس اور انتقام کی تثلیث ہے۔ پلاٹ گٹھا ہوا ہے۔ شہباز، زرینہ، جمال اور رحیم کو فطری انداز میں پیش کیا گیا ہے جو معاون کردار ہوٹل کے ماحول کے لیے منتخب کیے گئے ہیں وہ بھی ضرورت کے مطابق ہیں۔

مشرف عالم ذوقی، بلونت سنگھ کے بارے میں لکھتے ہیں

بلونت سنگھ کا شمار ایسے فنکاروں میں ہوتا ہے جو اوتو مونو کا موچی (جاپانی شاعر) کے اس خیال پر پورے اترتے ہیں

''جہاں ہم کھڑے ہیں
کہانی وہیں سے نکل رہی ہے،

ممکن ہے ہماری آنکھوں کے سامنے سے

یا قدموں کے تلے کی زمین سے

یا، کہیں سے بھی۔۔۔۔۔

کیا تم انھیں نہیں دیکھ پا رہے ہو

کیسے افسانہ نگار ہو۔۔۔۔۔'' (جاپانی شاعر، اوتو مونویا کاموچی)

بلونت سنگھ کے اہم ناولوں میں ''عورت اور آبشار'' بھی شامل ہے جس میں محبت، مجبوریوں اور محرومیوں کے ساتھ ہوس اور انتقام کی ایسی دلدوز داستان بیان کی گئی ہے کہ ناول کے اختتام پر قاری حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس میں حیات و کائنات اور اشیا و مظاہر کے لیے کشش کی اصل وجہ ناول نگار کا وہ رویہ ہے جو ناول کی قرأت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ایماء و اشارہ کی جانب جھکاؤ پر مبنی بیان کے سبب ناول میں سنجیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناول میں انسانی رشتوں پر خاصی توجہ دی گئی ہے جس کی وجہ سے سطحی ناول ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ فن کے اعتبار سے کرداروں کی نفسیات سے واقفیت کا سلسلہ پورے ناول میں نظر آتا ہے۔ پنجاب اور کشمیر کے درمیانی حصے اس کا پس منظر بیان کرتے ہیں۔

کہانی کی ابتدا یوں ہوتی کہ ایک روز ایک انگریز گھومتا ہوا ہندوستان آیا۔ اسے کشمیر اور پنجاب کے بیچ واقع میرپور کے گردونواح کا علاقہ بہت اچھا لگا، یہاں اس نے ایک چھوٹی سی کوٹھی تعمیر کرائی۔ کچھ دنوں بعد انگلینڈ سے وہ اپنی بیوی کو بھی یہاں لے آیا۔ یہیں اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ کچھ سالوں بعد وہ انگریز اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ وہ عورت شوہر کی وفات کے بعد تنہائی کے عالم میں یوں گرفتار ہوئی کہ اس نے ہندوستان چھوڑ کر ولایت جانے میں بہتری سمجھی۔ اس نے کوٹھی کو اپنے ملازم رحیم کے حوالے کر دیا۔ کوٹھی کو رحیم ایک ہوٹل میں تبدیل کر دیتا ہے جہاں شہباز اور زرینہ ایک ساتھ آتے ہیں۔ شہباز کسی افغانی قبیلہ کے سردار کا بیٹا ہے جبکہ زرینہ کا تعلق ایک معمولی پٹھان خاندان سے ہے۔ وہ

دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اوراب انہوں نے شادی کرنے کا فیصلہ بھی کرلیاہے۔ تاہم وہ دونوں طبقاتی امتیاز کا شکار بن جاتے ہیں۔شہباز کے والدکو یہ گوارانہ تھا کہ وہ بیٹے کی شادی ایک معمولی پٹھان لڑکی کے ساتھ کردے مگران کی نزدیکیاں اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتے۔شہباز مجبور ہوکر گھر چھوڑ دیتا ہے اورزرینہ بھی سب کو چھوڑ کر بھاگ آتی ہے۔اس کے ماں باپ کو جب یہ خبر ملتی ہے تو وہ شہباز کے خلاف بیٹی کو اغوا کرنے کی رپورٹ درج کرادیتے ہیں۔پولس ایک دن دونوں کا پیچھا کرتے کرتے رحیم کے ہوٹل پہنچ جاتی ہے۔شہباز اس بات سے پہلے ہی باخبر تھا کہ پولس اس کے تعاقب میں ہے لہٰذاوہ رحیم کے ہوٹل میں بھی اسے تلاش کرنے آئے گی۔رحیم دونوں کو دوسری جگہ چھپنے کے لیے بھیج دیتاہے۔ہوٹل میں شہباز اورزرینہ کو نہ پانے کے باوجود تھانیدار کے شک کی سوئی رحیم کے ہوٹل پر رہتی ہے۔ہوٹل سے روانہ ہوتے ہوئے تھانیدار رحیم کو یہ تجویز دے کر جاتا ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو وہ دونوں کی شادی کرادے تاکہ اس پریشانی سے چھٹکارامل جائے ۔ تھانیدار کی تجویز سے رحیم خوش ہوکر شہباز کو تاکید کرتا ہے کہ وہ دونوں شادی کرلیں۔یہ مشورہ شہباز کو پسند تو آجاتا ہے لیکن وہ اپنی تمام مرادیں پوری کرتے ہوئے قدیم رسم ورواج کے مطابق شادی کرنا چاہتا ہے۔اس کی خواہش ہے کہ دونوں کے والدین اس کے لیے رضامند ہوں۔وہ اپنے والد کو راضی کرنے کی غرض سے افغانستان کا سفر کرتا ہے اورزرینہ کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ ایک ہفتے کے بعدواپس آجائے گا۔ کہانی کا رخ اس وقت بدل جاتا ہے جب زرینہ سے کیا ہوا شہباز کا واپس آنے کا وعدہ ٹوٹ جاتاہے اوروہ اپنے وطن سے ایک ہفتہ بعدواپس نہیں آتا۔ابتدا میں زرینہ اس کی منتظر رہتی ہے لیکن بعد میں اس کی امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔اس کی زندگی میں پھر ایک حسین وجمیل لڑکا جمال آتاہے اوروہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔جمال،زرینہ کے ہوش وحواس پر اس قدر چھاجاتا ہے کہ اس کے پیٹ میں جمال کا بچہ پرورش پانے لگتا ہے

مگرزرینہ کی قسمت پھر آنکھ مچولی کھیلنے لگتی ہے ۔وہ بھی اس سے وعدہ کر کے چلاجاتاہے اورواپس نہیں آتا۔ زرینہ ایک آبشار میں کود کرجان دے دیتی ہے۔ناول کا سب سے بڑاالمیہ یہ ہے کہ شہبازاورزرینہ نے ایک دوسرے کو دل وجان سے چاہا۔شادی کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن دونوں شادی کرنے میں ناکام رہے۔ان کی آرزو دل میں دب کر رہ گئی۔زرینہ بدقسمت کردارہے جو اول تا آخرمقدر کے ہاتھوں ہارتی رہی اورآخرمیں وہ ایسی شکست خوردہ ہوئی کہ موت سے جاملی۔

اسمٰعیل اورنواب صاحب رحیم کے ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔اسماعیل اورنواب صاحب نام کے یہ دونوں ہی کردارکوئی اورنہیں بلکہ وہی ہیں جن کی وجہ سے زرینہ موت کے منہ میں پہنچی۔اسمٰعیل درحقیقت 'جمال' ہے اورنواب صاحب 'شہباز' ہے۔کسی مصلحت سے اگرچہ دونوں نے اپنے نام تبدیل کر لیے ہیں۔اسمٰعیل جب نواب صاحب کوزرینہ کی محبت کی کہانی اوراس سے لطف اندوز ہونے کا ساراواقعہ بیان کرتاہے تو یہ سن کرشہباز کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔آخری منظرمیں وہ اپنی محبوبہ،زرینہ کی موت کا بدلہ لینے کے لیے تیارہوجاتاہے۔وہ جمال کوایسادھکادیتاہے کہ وہ اسی آبشارمیں گرپڑتاہے جس میں زرینہ گرکرلقمہ اجل بنی تھی۔یوں جمال بھی جان کھوبیٹھتاہے۔ناول کے ان آخری جملوں کے بعدقاری کویہ کہانی ابتدائی دورمیں پہنچادیتی ہےجس سے ناول کی تکنیکی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔افسانے میں آبشارکی گہرائی کوبلونت سنگھ نے یوں بیان کیاہے:

''اس زمانے میں یہ مقام بالکل سنسنان تھا۔نہ کوئی دھرم شالہ تھی نہ کوئی دکان،نہ یہ گہما گہمی بس دونوں پہاڑیاں ایک دوسرے کوچپ چاپ تاک رہی تھیں۔ندی میں کبھی کبھار پاس کے دیہات سے لوگ نہانے آجاتے تھے۔۔۔۔ایک بہت بڑاآبشارجوکئی سوفٹ کی بلندی سے پہاڑی کے سینے سے ٹکراتاہوانیچے ندی

میں گرتا تھا۔ویسے تو ننھے منے جھرنے اب بھی کافی تعداد میں وہاں دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ بڑا آبشار سوکھ چکا ہے۔وہ کیسے سوکھا اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا جاسکتا۔ہاں اس آبشار کا نشان اب بھی ایک گہرے اور لمبے گھاؤ کی طرح اس پہاڑی کے سینے پر صاف نظر آتا ہے۔''

کلیات بلونت سنگھ،جلد پنجم،ناول:عورت اور آبشار،ص:۳۔۲

''عورت اور آبشار'' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یہ سوال قائم کیا گیا ہے کہ یہ آبشار کیا ہے؟ کیا زرینہ آبشار ہے جس کے جسم کی برسات میں جمال نے غسل کیا یا شہباز جو اونچے پہاڑ سے ٹکرا کر ندی میں جا گرا جس کے سینے پر گہرے نشان ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے ناول کا قاری اس کی گرفت میں آجاتا ہے اور یہی اس کی مقبولیت کا سبب بنتا ہے۔ناول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی خیال محبت،ہوس اور انتقام کی تثلیث ہے۔پلاٹ گٹھا ہوا ہے۔ شہباز،زرینہ،جمال اور رحیم کو فطری انداز میں پیش کیا گیا ہے جو معاون کردار ہوٹل کے ماحول کے لیے منتخب کیے گئے ہیں وہ بھی ضرورت کے مطابق ہیں۔ناول کا ماحول پوری طرح فطری ہے۔البتہ ایک کمی پائی جاتی ہے اور وہ ناول جتنے بھی مکالمے ہیں وہ سب کردار و مرتبہ کے لحاظ سے ہیں۔قصہ پن تو ہے ہی،ماجرہ سازی کے عناصر میں بھی توازن ہے۔کلائمیکس اور اینٹی کلائمیکس بھی نظر آتا ہے۔نقطہ نظر اور پیغام کی بات کی جائے تو اس میں ایک اخلاقی درس بھی پایا جاتا ہے۔

اس ناول کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ یہ ناول ترقی پسندی کے معیار پر کھرا نہیں اترتا۔پورے ناول میں کہیں بھی ناول نگار نے ترقی پسند نظریہ اختیار کر نہیں کیا۔ بھوک،استحصال،طبقاتی کشمکش،انقلاب جیسی چیزیں کہیں بھی ناول میں نظر نہیں آتیں۔انگریزوں کی غلامی سے بغاوت کا کوئی ارادہ بھی نہیں اور نہ ہی کوئی کردار مسائل میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ہوٹل والا رحیم جو غربت اور مفلسی سے دوچار ہے کبھی افلاس کا رونا نہیں روتا۔ یہاں تک کہ اپنے رقیب جمال سے بغاوت

بھی نہیں ہوتی ۔شہباز کے کردار میں جس کا امکان تھا لیکن جب بلونت سنگھ اس کے اندر کے شہباز کو ناول میں پیش کرتے ہیں تو نتیجہ یہ نکل کر آتا ہے:

''شہباز نے چہرہ اس کی طرف گھما کر پل بھر کے لیے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر بولا۔ام سوچتا تھا کہ امارے باگ جانے کے کچھ دن بعد ام دونوں کے ماں باپ اماری شادی پر رضامند ہو جائے گا۔''

کلیات بلونت سنگھ، جلد پنجم، ناول: عورت اور آبشار، ص: ۴۹

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی سوچ باغی عاشق کی نہیں ہوسکتی اور جذبۂ عشق کا دخل بھی اس کے عمل میں نظر نہیں آتا یہ تو عام انسان جیسا کردار لگتا ہے۔اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ شہباز کے والدین شادی کے لیے راضی ہو جاتے تب بھی وہ شخص اپنی ساری زندگی روایتی اور قبائلی انداز میں ہی بسر کرتا۔رحیم کا کردار بھی بے جان سا لگتا ہے اور جمال کسی اعتبار سے ترقی پسند نظر نہیں آتا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بلونت سنگھ کا رویہ زندگی اور کرداروں کے لیے دقیانوسی ہے یا ترقی پسندانہ۔اس کا پتہ زرینہ کے کردار سے لگ جائے گا۔ناول میں زرینہ بہت کم بولتی نظر آتی ہے ۔بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے خیالات وجذبات کا فیصلہ خود زرینہ نہیں بلکہ کوئی اور کررہا ہے۔وہ تو محض ان فیصلوں کی تجربہ گاہ بنی ہوئی ہے۔یہ طے شدہ ہے کہ زرینہ کا کردار سب سے زیادہ مستحکم، اذیت سہنے والا اور فیصلوں پر عمل کرنے والا کردار ہے۔جب لڑکے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو ان کے لیے واپسی دروازے کھلے رہتے ہیں۔سماج کی نظر میں بھی وہ اچھے بنے رہتے ہیں لیکن جب کوئی لڑکی گھر سے فرار ہوتی ہے تو اس کے لیے تمام دورازے بند ہو جاتے ہیں اور سماج اس کو تاعمر بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔صرف اسی پر بس نہیں قانونی طور پر والدین کی رضامندی اور جائز طریقہ سے کی جانے والی شادی کے بعد بھی وہ گھر پرایا ہو جاتا ہے۔وہ صرف ایک مہمان کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کہانی میں بزدلی زرینہ کی نہیں بلکہ شہباز کی ثابت ہوتی

ہے۔وہ شادی کا وعدہ کرکے چلا جاتا ہے لیکن ہفتوں اور مہینوں بعد بھی واپس نہیں آتا۔ بے بس زرینہ کو اس دوران ایک ہمدرد مل جاتا ہے جسے وہ اپنا سب کچھ سونپ دیتی ہے۔ یہ منزل بھی عورت کے فیصلے اور رضامندی کا اشاریہ ہے۔زرینہ ایک مرتبہ پھر اہم فیصلہ لیتی ہے لیکن اس کی قسمت دوبارہ اسے دھوکہ دے دیتی ہے تو وہ مایوس ہوکر خودکشی کا ارادہ کرلیتی ہے ۔یہ اس کو سب سے بہتر فیصلہ نظر آتا ہے۔وہ اپنی زندگی میں تین اہم فیصلے کرتی ہے۔شہباز کے لیے گھر چھوڑنا، جمال کے بچہ کی ماں بننا اور خودکشی ۔دراصل یہ تینوں فیصلے اس کی بغاوت کا استعارہ نہیں ہیں اور دیکھا جائے تو بلونت سنگھ نے اس ناول میں علامتی نظام قائم نہیں کیا پھر بھی بعض مقامات پر بے توجہی کے ہوتے ہوئے بھی استعاراتی کیفیت خودبخود ظاہر ہو جاتی ہے۔اس سلسلے میں ناول کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

''زرینہ موقع ملنے پر آبشار کی طرف جاتی۔وہ دیر تک آبشار کے گرتے ہوئے پانی کو دیکھتی رہتی۔وہ اپنے تیز و تند بہاؤ کے ساتھ گھاٹ میں یوں گرتا تھا جیسے کوئی باز کبوتر پر جھپٹا مارتا ہے۔راستہ میں اس کا پانی چٹانوں سے بھی ٹکراتا جس سے بہت تیز شور اٹھتا۔لیکن وہ پانی تھا کہ اپنے ہی اندر بہاؤ میں جھپٹا ہی چلا جاتا۔

بالکل اس آبشار کی طرح ایک آبشار اس کے دل میں بھی تھا اور اس کی طرح ایک آبشار شہباز کے من میں بھی تھا یہ باتیں سوچ سوچ کر اس کا دماغ الجھنے لگا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی جدھر سے پانی آتا تھا اُدھر ہی کو چل دیتی۔''

کلیات بلونت سنگھ، جلد پنجم، ناول: عورت اور آبشار، ص: ۵۴

''اب وہاں کوئی جھرنا نہیں ہے بلکہ جھرنے والی جگہ پر صرف ایک نشان باقی ہے____اس پہاڑ کے سینے پر گہرے گھاؤ کا نشان!''

کلیات بلونت سنگھ، جلد پنجم، ناول: عورت اور آبشار، ص: ۹۷

ان کے علاوہ بھی کئی ایسے مقامات ہیں جہاں آبشار کا استعمال ہوا ہے۔اس لفظ کے ذریعہ مختلف حالات کا موازنہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یوں بلونت سنگھ کا ناول کامیاب ناول لگتا ہے مگر متعدد جگہوں پر بلونت سنگھ ناکام نظر آتے ہیں جیسے آبشار کوئی بڑی علامت نہیں بن پاتا لیکن ان کے تخلیقی شعور میں آبشار کسی نہ کسی شکل میں ابھرتا رہتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو بلونت سنگھ کو ان کے ہمعصروں میں مرتبہ دلانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔کرشن چندر، بیدی اور منٹو کی مانند بلونت سنگھ اس ناول میں کوئی علامتی طرز نہیں اپناتے۔ باوجود اس کے وہ اس ناول میں نہ تو شہباز کے ہاتھوں جمال کو آبشار کے حوالے کرتے دکھاتے ہیں اور نہ ہی زرینہ کی خودکشی کا منظر پیش کرتے ہیں پھر بھی قاری ان کے انجام سے آشنا ہو جاتا ہے۔'عورت اور آبشار' کے تعلق سے انسانی معاملات پر غور کریں تو ہم پائیں گے کہ انسانی رشتوں کے عرفان کے سبب بلونت سنگھ کی فن کاری میں چار چاند لگ گئے۔ گراہکوں سے رحیم کا تعلق، زرینہ اور شہباز کا تعلق، شہباز کے جانے کے بعد زرینہ کا جمال سے دوستی، جمال اور شہباز کا ایک دوسرے سے متعارف ہونا، شہباز کا جمال کے حق میں برتاؤ، ان سب رشتوں اور ناطوں میں جو تناسب اور موزونیت پائی جاتی ہے وہ ان تعلقات اور رشتوں کو سمجھنے اور پرکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ فنی نقطہ نظر سے اس ناول کو محبت، ہوس اور انتقام کی تثلیث کہنا بہتر ہوگا۔ نصابی اعتبار سے قطع نظر دیکھا جائے تو ہوس والی بات ایک واہمہ محسوس ہوتی ہے۔ جس دوران جمال زرینہ کے جسم سے لطف اٹھاتا ہے۔

زرینہ کی غیر رضامندی ایک لمحہ کے لیے بھی نظر نہیں آتی۔ یہ بات بھی طے ہے کہ بعد میں جمال نے کچھ چالاکی سے کام لیا تھا۔ جسمانی تعلق کے دورانیہ کی جو شناخت بلونت سنگھ نے قائم کی ہے وہ مکمل طور سے فطری ہے۔ اس کے بعد زرینہ کس طرح جیتی ہے اور کس طرح رحیم کی دیکھ بھال کرتا ہے، یہ سب دلچسپ

اور فطری محسوس ہوتا ہے۔ جہاں تک ناول میں موجود کرداروں کی نفسیات کا تعلق ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ بلونت سنگھ نے اس چھوٹے سے ناولٹ میں کردار سازی کے بہتر نمونے پیش کیے ہیں۔ رحیم کا کردار دبّو قسم کا ہے جو انگریز عورت کے رحم وکرم پر ہوٹل چلاتا ہے۔ وہ نیکی کے رستے پر چلنے کی آرزو رکھتا ہے اور کہیں سر نہیں اٹھاتا۔ یہ خوبی اس کے اندر اس قدر سمائی ہوئی ہے کہ وہ زرینہ اور شہباز کو گرفتاری سے بچاتا ہے۔ لیکن جب تھانیدار پر دباؤ ڈالتا ہے تو اس کا کمزور کردار یوں بول اٹھتا ہے:

> ''اس وقت رحیم میاں کی حالت کچھ بھیگی بلّی کی سی ہو رہی تھی۔ وہ یوں ٹانگیں سکوڑے کھڑا تھا جیسے اس کے پاجامے میں پیشاب نکل گیا ہو۔ ایک تو ویسے ہی اس کی شکل بڑی مسکین تھی اور پھر اس وقت تو واقعی اسے نانی یاد آ رہی تھی۔ اب وہ اس بھید کو پل بھر کے لیے بھی چھپانے کے قابل نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک بالکل سن ہو گیا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر نہ جانے کیوں افسر کی مونچھوں تلے ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پیدا ہوئی جسے رحیم نہیں دیکھ پایا۔''

کلیات بلونت سنگھ، جلد پنجم، ناول: عورت اور آبشار، ص: ۴۷۔۴۶

اس طرح رحیم کا خوف و دہشت میں مبتلا ہو جانا فطری ہیکیوں کہ گرفتاری کے بعد مجرم بھیگی بلّی بن جاتا ہے۔ رحیم کا کردار اس طرح ایک فطری کردار بن جاتا ہے۔ اگرچہ بلونت سنگھ اس پر رحیم سے سچ نہ بھی بلواتے تب بھی ان کی کردار سازی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ رحیم کی زبان سے سچ نہیں بلوانا چاہتے تھے مگر گرفتاری کے خوف سے اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلا اس لیے زرینہ اور شہباز پولس کی پکڑ سے باہر رہے۔ ناول کا یہ کردار ڈرپوک قسم کا ضرور ہے لیکن جب وہ غصے میں آتا ہے تو اس کے منہ سے اشتعال انگیز باتیں نکلتی ہیں جب شہباز، زرینہ سے وداع لیتا ہے تو رحیم ہر وقت غم زدہ رہتا ہے۔ وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ زرینہ کی

آخری سانس تک حفاظت کرے گا تاہم اسی اثنا میں جمال زرینہ سے جنسی تعلقات قائم کر لیتا ہے تو رحیم اس بات سے باخبر ہوتا ہے کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے تب یہی ڈرپوک قسم کا کردار یوں بیدار ہوتا ہے:

''صاحب بہادر، اگر شہباز یہاں کہیں آنکلا تو آپ کو خوبصورتی اور جوانی کی یہ باتیں پل بھر میں بھول جائیں گے۔ رحیم کی آواز میں تیزی آگئی تھی۔اس نے پھر اپنی بات جاری رکھی۔'' بابو صاحب میں کہہ چکا ہوں کہ وہ میری بیٹی ہے اس کا برا بھلا دیکھنا میرا کام ہے۔''۔۔۔جمال نے محسوس کیا کہ غصّے کے مارے رحیم کی آواز کانپ رہی ہے۔اس نے اب دھیمے لہجے میں کہا۔لیکن رحیم میاں تم مجھے بالکل غلط سمجھتے ہو۔۔۔''

کلیات بلونت سنگھ، جلد پنجم، ناول: عورت اور آبشار، ص: ۷۰

پورے ناول میں اس مقام کے علاوہ کہیں بھی رحیم کا اصلی کردار سامنے نہیں آتا اس لیے کہ دراصل وہ زرینہ کو اپنی بیٹی مانتا ہے۔رحیم کا کردار مصنف کی نفسیات سے آگہی کا ثبوت دیتا ہے اور اسی قسم کی آگہی ناول میں ایک جگہ زرینہ کے کردار میں بھی دکھائی دی ہے۔زرینہ کا کردار کم گو ثابت ہوا ہے۔یہ کردار سے زیادہ سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے، ناول کا اگر کوئی فعال کردار ہے تو وہ زرینہ ہی ہے، جو عجیب وغریب ہوتے ہوئے بھی ہر طرف نظر آتا ہے۔کبھی اس کا تعلق شہباز سے قائم ہوتا ہے اور کبھی وہ جمال سے دوستی کر لیتی ہے۔رحیم اس کا سرپرست بنتا ہے۔زرینہ یوں ہر منظر پر چھائی ہوئی ہے۔ اس کے کردار کو کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ بلونت سنگھ کرداروں کو بخوبی جانچنے اور پرکھنے کی مہارت رکھتے ہیں۔بلونت سنگھ کی رائے کے مطابق مردوں کی بہادری کو پنجاب کی عورتوں نے تسلیم کیا ہے۔مرد کا باوقار اور بہادر ہونا سماج کی عورتوں کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔عام اور خاص دونوں ہی قسم کی عورتیں بہادری کو بہت پسند کرتی ہیں۔وہ بیویاں جن کے ایسے شوہر ہوتے

ہیں انہیں ان کی بہادری اور جانبازی پر ناز ہوتا ہے اور وہ عورتیں اپنے شوہر کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ بلونت سنگھ نے پنجاب کی اتنی تعریف کی ہے کہ اس پر مزید کچھ کہنا مناسب نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پنجاب کے ذرے ذرے میں بہادری اور دلیری سمائی ہوئی ہے۔ بلونت سنگھ پنجاب کے کاشتکاروں کے کھیت کھلیان اور اس کی چھوٹی چھوٹی فصلوں سے قاری کو واقف کراتے ہیں اور ساتھ ہی پنجاب کی داستان محبت بھی سناتے ہیں اور دیہاتی پیشہ ور ڈاکوؤں کی روداد بھی پیش کرتے ہیں۔ ایک طرف انہوں نے ڈاکہ زنی، راہزنی، رومانیت اور ڈاکوؤں کی زندگی کو پیش کیا ہے وہیں تقسیم ہند اور فرقہ وارانہ فسادات پر بہت سے ناول اور افسانے لکھے ہیں۔

یوں تو تقسیم ہند اور فرقہ وارانہ فساد کے موضوع پر بہتوں نے لکھا ہے مگر بلونت سنگھ نے وہ لکھا جو خود ان کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی کہانیاں لکھی ہیں۔ پنجاب کا رہنے والا ادیب بھلا ایسے حادثات سے کیسے آنکھیں بند کر سکتا ہے۔ بلونت سنگھ ایک جگہ بتاتے ہیں کہ وہ خود اپنے خاندان سمیت اس قیامت خیز دور میں تھے۔ تہذیب وتمدن کا شیرازہ بکھرنے کے بعد پھر کبھی یکجا نہ ہو سکا۔ ان حالات میں مبتلا بلونت سنگھ کا دل پارہ پارہ ہو گیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں کا کینوس وسیع ہوتا چلا گیا۔ ان کے ناول اور افسانوں کے کینوس میں محض تقسیم ہند اور اس سے پیدا شدہ فرقہ وارانہ فسادات بلکہ انسانی اقدار کے پامال ہونے کا ماتم بھی ملتا ہے۔ رشتوں کے ٹوٹنے کا شدید احساس بھی ہے، گھروں اور کھیت کھلیانوں کے تباہ وبرباد ہونے کا رنج وغم بھی، آبائی وطن سے تعلق ٹوٹ جانے اور زندگی بھر وطن نہ جا پانے کا صدمہ بھی ہے اور بہت سے طبقوں کے سماجی واقتصادی نظام کے برباد ہونے کا رنج بھی۔

☆☆☆